پروفیسر ابوالکلام خواجہ

قسط دوم

امارت اسلامیہ افغانستان .... مشاہدات و تاثرات

معسکر و قرار گاہ میں آمد:

ظہیر الدین بابر کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کے بعد راستے میں قصر شاہی دارالامان اور دیگر عمارات کی عبرتناک شکستگی کا نظارہ کرتے ہوئے حرکتہ المجاہدین کی قرار گاہ میں پہنچے جہاں مجاہدین عسکری تربیت حاصل کرتے ہیں اسے معسکر کہتے ہیں۔ اور جس جگہ محاذ پر جانے کے لئے اپنی باری کا انتظار کرنے کے لئے ٹھہرتے ہیں اسے قرار گاہ کہا جاتا ہے یہ جگہ کابل شہر سے جنوب مغرب میں تقریباً بیس پچیس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے اور وسیع رقبے پر مشتمل ہے اس میں ایک وسیع و عریض شاہی باغ ہے جس میں سیب، خوبانی اور شتوت کے بے شمار درخت ہیں، ایک اجڑا ہوا محل ہے جس کے کھنڈرات سے اس کی عظمت رفتہ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، ایک بہت بڑا تالاب ہے جو سابقہ دور کی عیاشیوں کی باقی ماندہ علامت کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور آج کل مجاہدین اس میں تیراکی سیکھتے ہیں قریب ہی دو منزلہ عمارت ہے جسے قرار گاہ بنایا گیا ہے گذشتہ سال بھی قرار گاہ یہی تھی اس قرار گاہ میں ایک کمرہ مہمانوں کے لئے مخصوص ہے۔ اس قرار گاہ کے جنوب مشرق کی طرف پرانی چھاؤنی ہے جس کی عمارتیں انقلاب زمانہ کی نذر ہو چکی ہیں مگر ان کی دیواروں پر کمیونزم اور قوم پرستی کے پیغامات اور کمیونسٹ انقلاب کے آثار باقی ہیں۔ اسی کے ایک حصہ پر حرکتہ المجاہدین کا معسکر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ہے اور دوسرے حصہ میں حرکتہ الجہاد الاسلامی کا معسکر خالد زبیر شہید ہے۔ ان دونوں کے درمیان کی جگہ کھنڈرات کی شکل میں ویران پڑی ہے۔ جو بھیڑ بکریوں اور ان کے چرواہوں کے تصرف میں ہے۔ اور دونوں معسکر امریکی کروز میزائلی حملے کے بعد خوست سے یہاں منتقل ہوئے ہیں کبھی اس جگہ کو گناہوں اور نافرمانیوں کی سیاہ چادر نے ڈھانپ رکھا تھا، راتوں کی تاریکی فحاشی و عریانی میں کھو چکی تھی، اللہ تعالیٰ کے باغیوں کی عسکری فرعونیت کا مظہر تھی، دن کا اجالا بھی مظلوموں کے لئے گھپ اندھیرے سے کم نہ تھا اور آج یہ جگہ عبادالرحمن سے آباد ہے۔ جن کی وجہ سے یہاں کی راتیں اللہ تبارک و تعالیٰ کے ذکر سے منور ہیں اور یہاں کے دن اسی کی تکبیر سے گونج رہے ہیں۔ اس کے قریب ہی وہ پہاڑی غار ہیں جن میں جہاد افغانستان کے ایک راہنما گلبدین حکمت یار نے اپنی دور اندیشی سے مقبوضہ اسلحہ آنے والے وقتوں کی ضروریات کے لئے محفوظ کرلیا تھا مگر جب وہ خود مالک حقیقی کا وفادار نہ رہا تو پھر ذی الملک والملکوت کی صفت ملکوتیت جوش میں آئی اور یہ ذخیرہ اس کے ہاتھ سے نکل کر طالبان کی تحویل میں آگیا۔

عصر کی نماز قرار گاہ میں ادا کی پھر جہادی تربیت کا مشاہدہ کرنے اور جامعہ تعلیم و تزکیہ قرآن محل ملتان کے زیر تربیت طالب علم حافظ حنظلہ محمود سے ملاقات کے لئے معسکر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ میں آ

گئے۔ مغرب سے کچھ دیر پہلے معلوم ہوا کہ نمازِ مغرب کے بعد قرآن محل ملتان کے مدرس کا جہاد کے موضوع پر درس قرآن مجید ہو گا۔ یہ درس درج ذیل نکات پر مشتمل تھا۔

٭ اللہ تبارک و تعالیٰ خالق ہے اور باقی سب اس کی مخلوق ہیں، اس کی مخلوق مرئی اور غیر مرئی دو قسم کی ہے۔

٭ انسانی مشاہدے اور عقل کے مطابق مرئی مخلوقات خواہ آسمانی (سورج، چاند، ستارے وغیرہ) ہوں یا زمینی (جمادات، نباتات و حیوانات وغیرہ) سب انسان کی خدمت میں لگی ہوئی ہیں۔

٭ جب انسان کی خادمہ مخلوقات کی زندگی بے مقصد نہیں تو پھر مخدوم المخلوقات، انسان کی پیدائش فضول اور بے مقصد کیسے ہو سکتی ہے۔

٭ خالقِ انسان کی نازل کردہ کتاب قرآن مجید سے انسان کی زندگی کے عبادت اور خلافت دو مقصد معلوم ہوتے ہیں۔

٭ عبادت سے مراد اللہ تعالیٰ کے حکموں کی تعمیل کرنا اور اس کے سامنے اپنی عاجزی اور اس کی عظمت کا اظہار کرنا ہے جب کہ خلافت سے مراد عبادت کا ماحول بنانا اور اسے قائم رکھنا نیز اللہ تعالیٰ کے حکموں کو نافذ کرنا ہے۔

٭ زندگی کی ان دو مقصدوں کو حاصل کرنے کی کوشش کا نام جہاد ہے اور اس کے راستے کی رکاوٹیں دور کرنا قتال ہے۔

٭ باغ میں پودوں کی نشو و نما میں رکاوٹ بننے والی جھاڑیوں اور گھاس کو اکھیڑنا، درختوں کے حسن و جمال کے لئے مانع حسن ٹہنیوں کی کانٹ چھانٹ کرنا، جسم کے باقی حصے کو بچانے کے لئے کینسر زدہ حصے کو کاٹ کر علیحدہ کر دینا معیوب نہیں مستحسن ہے اس آپریشن پر ڈاکٹر کو درندہ نہیں محسن سمجھا جاتا ہے اور شکریہ کے ساتھ معاوضہ بھی پیش کیا جاتا ہے جب دنیا کی عارضی زندگی میں صرف جسمانی تکلیف کا سبب بننے والا جزوِ بدن کاٹ دینا اس قدر مستحسن ہے تو پھر نوعِ انسان کے لئے آخرت کی غیر فانی زندگی میں روح اور جسم دونوں کی لامحدود تکلیف اور جہنم کے دائمی عذاب کا سبب بننے والے کفر و نفاق کے کینسر زدہ افراد کے خلاف قتال کر کے باقی انسانوں کو اس کے اثرات سے بچانا کس قدر ضروری اور مستحسن ہو گا۔

٭ حضرت نوح علیہ السلام نے محدود اہل ایمان کو کفر کے کینسر سے بچانے کے لئے کفر انجام کافروں کی ہلاکت کی بددعا فرمائی جسے اللہ تعالیٰ نے طوفان کی صورت میں قبول فرمایا۔

٭ اللہ تعالیٰ نے پہلی امتوں کے نافرمانوں کو بادل، ہوا، زلزلہ، فرشتے کی چیخ وغیرہ سے ہلاک فرمایا اور بنی اسرائیل کو فرعون کے خلاف جہاد و قتال کی سعادت عطا فرمانے کی بجائے خود ہی اس کو بحیرہ قلزم میں ڈبو دیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات کی بدولت کافروں کی ہلاکت کی سعادت اہل ایمان کو حکم جہاد و قتال کی صورت میں عطا فرما دی۔

٭ جہاد و قتال سے گریز کا ایک سبب دنیاوی نعمتوں کی رغبت اور ان کے حصول کی مصروفیت ہے اوّل تو یہ

اہل ایمان کا شیوہ نہیں دوم یہ کہ تاریخ کا مطالعہ اور دورِ حاضر کا مشاہدہ اس حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ افراد کی باعزت و خوشحال زندگی اس کی قومی و ملی زندگی پر ہے، کسی قوم کی زندگی کا انحصار اس کی عسکری قوت پر ہوتا ہے۔ عسکری قوت کی بقا جہاد و قتال کے تسلسل پر ہے اور اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان ہے کہ اس نے بقائے انسانی کے اس اصول کو حکم کی حیثیت دے کر اہل ایمان کے لئے ذریعۂ فضیلت بھی بنا دیا اس حکمِ جہاد و قتال کو ترک کرنے کا نتیجہ ہے کہ آج دنیا میں مسلمان کثرتِ تعداد کے باوجود غیروں کے غلام ہیں، معاشرتی لحاظ سے ذلیل و رسوا اور معاشی لحاظ سے بدحال ہیں ان کے وسائل دولت غیروں کے تصرف میں ہیں اور اپنے ہی وسائل میں سے ایک معمولی جز کے حصول کے لئے ان کو نہ جانے کتنے احسانات کا بوجھ اٹھانا پڑتا ہے، کتنی ہی ناروا پابندیاں قبول کرنا پڑتی ہیں اور خود اپنوں ہی کے خلاف اغیار کا آلہ کار بننا پڑتا ہے۔

✪ جہاد و قتال سے گریز کا دوسرا بنیادی سبب موت کا خوف ہے جب کہ مسلمان کے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اسے اس حقیقت پر یقین ہونا چاہیے کہ موت کا وقت اور جگہ مقرر ہے اور پھر یہ کہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو عقل و مشاہدہ کے خلاف بھی نہیں کیونکہ اگر جہاد و قتال میں شریک ہونا ہی موت کا سبب ہوتا تو پھر جہاد و قتال میں شریک ہونے والا کوئی شخص زندہ واپس نہ آتا اور جہاد و قتال میں شریک ہونے کی بجائے گھر میں بیٹھ جانے والے کو موت نہ آتی۔

✪ غزوۂ بدر کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کم عمر نوجوانوں کو ان کے رونے اور التجا کرنے کے باوجود لڑائی میں شریک ہونے کی اجازت نہ دی اور واپس جانے کا حکم فرمایا مگر حضرت عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ واحد کم عمر تھے جن کے رونے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں شرکت کی اجازت دے دی جس کا تقدیری سبب یہ تھا کہ ان کی شہادت اسی موقع پر اور اسی جگہ پر ہونا تھی، ابوجہل کو قافلے کے محفوظ و مامون ہونے کی اطلاع مل گئی جس کے باعث اب آگے بڑھنے کی ضرورت نہ تھی مگر موت نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو کھینچ کر میدانِ در میں لاکھڑا کیا، حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ یومِ بدر میں ہوئے مگر ان کی شہادت واپسی پر راستے میں مقامِ صفراء میں ہوئی۔

✪ جب موت کا وقت مقرر ہے تو پھر یہ موت اپنی افضل ترین صورت یعنی شہادت کی شکل میں کیوں نہ آئے جس پر بے شمار اعزازات و اکرامات کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق چھ خصوصی انعامات کا وعدہ بھی ہے اوّل یہ کہ شہید کا پہلا قطرۂ خون زمین پر گرنے سے پہلے ہی اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں، دوم یہ کہ روح نکلنے سے پہلے ہی اسے جنت میں اپنا ٹھکانا دکھا دیا جاتا ہے، سوم یہ کہ وہ قبر کی وحشت اور قیامت کی دہشت سے محفوظ کر دیا جاتا ہے۔ چہارم یہ کہ اس کے سر پر ایسے یاقوت کا جڑا ہوا باوقار تاج رکھا جائے گا جو دنیا و مافیہا سے بہتر ہو گا، پنجم یہ کہ بہتر حوروں کو اس کی زوجیت میں دے دیا جاتا ہے، ششم یہ کہ اس کی شفاعت ستر رشتہ داروں کے حق میں قبول کی جائے گی۔ (ترمذی ابواب الجہاد)

✪ اگرچہ اہل ایمان نے ہر دور میں جہاد و قتال کا فریضہ سرانجام دیا ہے مگر اس دور کے مسلمانوں کی خوش

نصیبی یہ ہے کہ صدیوں بعد انہیں خلافت راشدہ کے نہج کا جہاد و قتال نصیب ہو رہا ہے اب یہ فیصلہ خود ہمیں کرنا ہے کہ آیا ہم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت عظمیٰ کی قدر کرتے ہوئے جہاد میں شریک ہو کر اپنے آپ کو اس سعادت سے مشرف کرتے ہیں یا اس سے کنارہ کشی اختیار کر کے محرومی و بد نصیبی کو اپنے گلے لگاتے ہیں۔

درس سے فراغت کے بعد کھانا کھایا نمازِ عشاء ادا کی اور پھر سونے کے لئے قرار گاہ میں واپس آ گئے۔

معسکر و قرار گاہ کے شب و روز:

جس طرف نگاہ اٹھتی تھی اکثریت نوجوانوں کی دکھائی دیتی تھی، کوئی ایک چہرہ بھی محرومیٔ سنت سے داغدار نہ تھا، ان کے شگفتہ چہروں پر گلشنِ نورستہ عجب بہار دکھا رہا تھا، ان کی آنکھوں کی ایمانی چمک نشیمنِ اغیار پر گرنے کے لئے بے تاب تھی، ان کے لہجے کا سوزو گداز دنیا پرستوں کے دلوں کو پگھلا رہا تھا ان کی جذبۂ قتال، دعوتِ جہاد اور آرزوئے شہادت سے لبریز گفتگو سامعین کے نفسِ لوّامہ کو بیدار کر دیتی تھی۔

جی ہاں! یہی نوجوان! جو مملکتِ جمہوریہ میں مادر پدر آزاد ہے، جس کی کبوتر بازی، پتنگ بازی اور دیگر بازیوں کی سرگرمیوں نے گردو نواح میں چادر اور چار دیواری کا تقدس پامال کر رکھا ہے، دینی تعلیم سے اسے اس کے والدین نے محروم رکھا اور بے نتیجہ ولاحاصل دنیاوی تعلیم سے وہ خود متنفر ہے، یونیورسٹیاں اور کالج جو اپنے نصاب اور نظام کی وجہ سے انسانیت، مذہبی اقدار اور اخلاقی روایات کی قتل گاہیں تھیں وہ اب اس کی وجہ سے خود انسانوں کے مقتل و مذبح بن چکے ہیں، اس کے ہاتھوں سے اساتذہ کے گریبان چاک ہیں اور اس کے والدین کی سفید پوشی اس کی ظاہر داری کے لئے سسک سسک کر دم توڑ رہی ہے، جس کی قیمتی زندگی ٹیلی ویژن، وی سی آر۔ ڈش۔ انٹرنیٹ جیسی خرافات میں بیتی چلی جا رہی ہے۔ اور اس کینسر کی وجہ سے وہ خود بھی معاشرے کے لئے ناسور بن چکا ہے۔ اس کی سحر کا طلوع اس کے خواب غفلت میں ڈوب چکا ہے۔ اس کے دن کا ابتدائی حصہ بستر پر گزرتا ہے اس کی دوپہر زنانہ تعلیمی اداروں کے لئے وقف ہے، جہاں وہ تازہ چھیلے ہوئے چہرے کے ساتھ بار بار پیشانی پر جھکے ہوئے بالوں میں ہاتھ پھیر کر اور گردن کو ایک خاص ادا سے جھٹکا کر فلم، ڈرامہ، ناول اور افسانہ زدہ نسوانیت کی خود ساختہ تصوراتی مظلومیت کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں کوشاں نظر آتا ہے، جو غروبِ آفتاب سے عروجِ شب تک شہر کے چوکوں کو مایوس مستقبل کے لاشعوری احساس سے جنم لینے والے آوارہ قہقہوں سے آباد و پررونق رکھتا ہے، جہاں سے چہرۂ بے نقاب و جسم بے حجاب ہی نہیں حسنِ محجوب کا بھی بے باک نگاہوں اور سوقیانہ آوازوں سے مامون و محفوظ گزر جانا ممکن نہیں، وہ یا تو ''کپی'' چڑھا کر ناموسِ ملت کو بے آبرو کرنے کے لئے لپکتا ہے یا پھر ناکامی کی صورت میں ہیروئین کی پڑیا سے اپنے آپ کو خود ہی ہلاکت میں ڈالتا چلا جاتا ہے۔

دامن تو بھلا اس کا دور ہے، اے دستِ جنوں
کیوں ہے بے کار گریباں تو میرا دور نہیں

ہاں! وہی نوجوان امارت اسلامیہ کے معسکر میں رات کے دو بجے بیدار ہوتا ہے، اپنے مالک سے نوافل کی صورت میں سرگوشیوں میں لگ جاتا ہے، پرسوز آواز میں تلاوت سے اس سے ہم کلام ہو جاتا ہے، ذکر و تسبیح سے اس کے ہاں قابلِ ذکر ہونے کا مقام حاصل کرتا ہے، اطمینان و سکون سے سنتیں ادا کرنے کے بعد مسجد میں باتیں کر کے اپنے اعمال ضائع کرنے کی بجائے ترتیب کے ساتھ صفوں میں بیٹھ کر ذکر کرتا ہے یا قرآن مجید کو دوسروں کی پیٹھ سے بچا کر تلاوت میں لگ جاتا ہے۔ ظہر کی فرض رکعتوں کے بعد سکون سے سنن و نوافل ادا کرتا ہے اور پھر فضائل جہاد کی مختصر تعلیم میں بیٹھ جاتا ہے اس کے بعد دینی عقائد و مسائل کی درسگاہ میں حاضر ہو جاتا ہے۔ پہلی دو نمازوں کی طرح نماز عصر بھی جماعت کی تکبیر اولیٰ میں شامل ہو کر ادا کرتا ہے اور پھر عصر سے مغرب تک کا وقت اپنی مرضی کے مطابق کھیل کود لائبریری میں مطالعہ، کنٹین سے اشیائے ضرورت کی خریداری، ساتھیوں سے ترغیب جہاد کی گفتگو، آئے ہوئے عزیز و اقارب سے ملاقات وغیرہ میں گزارتا ہے، اذان مغرب سے پندرہ منٹ پہلے نماز کی تیاری کے لئے عزیزوں اور دوستوں سے بھری مجلس کو یوں چھوڑ کر چل پڑتا ہے جیسا کہ ان میں سے کسی کو جانتا تک نہیں، نماز مغرب کی سنتوں اور نوافل سے فارغ ہونے کے بعد مسجد میں بیٹھ کر عقائد یا جہاد کے موضوع پر ولولہ انگیز ایمان افروز نظم سنتا ہے اور پھر کسی مہمان عالم یا مجاہد کمانڈر سے جہاد کی فضیلت پر تفصیلی بیان سنتا ہے، اور اس اثناء میں اللہ تعالیٰ کی تکبیر کا بلند آہنگی سے اظہار کر کے اپنے قلبی جذبات کا اظہار بھی کرتا رہتا ہے، اس کے بعد کھانا کھاتا ہے، حاجات سے فارغ ہو کر نماز عشا کی باجماعت تکبیر اولیٰ میں شریک ہوتا ہے، سنن و نوافل وغیرہ کے بعد حاضری کے لئے مسجد ہی میں مقررہ ترتیب سے اپنے گروپ میں بیٹھ جاتا ہے حاضری کے بعد امیر معسکر کی مختصر نئی ہدایات کے لئے ہمہ تن گوش ہو جاتا ہے اور اس کے بعد اجازت لے کر کھڑا ہوتا ہے اور اپنے شبہات، حربی صورت حال کے بارے میں استفسارات، شکایات و تجاویز پیش کرتا ہے اور ان کے مختصر مگر جامع اور تسلی بخش جوابات حاصل کرتا ہے، نامِ شب (اس رات کا کوڈ ورڈ) اور جواب شب توجہ سے سن کر ذہن نشین کرتا ہے (کیونکہ اس کے بغیر رات کو قیام گاہ سے باہر نکلنا ممکن نہیں) پھر امیرِ معسکر کے

سبحنک اللھم وبحمدک اشھد ان لا الہ الا انت استغفرک واتوب الیک

پڑھنے کو مجلس کی برخاستگی کا اعلان سمجھ کر رات کے دس بجے سے دو بجے تک آرام کرنے کے لئے خواب گاہ کی راہ لیتا ہے اور جلد از جلد سونے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ اسے یہ بھی معلوم ہے کہ اس نے نیند کے ان چار گھنٹوں میں تیس سے چالیس منٹ اپنی باری پر پہرے کی فضیلت و سعادت بھی حاصل کرنا ہے۔

جامع مسجد پل خشتی میں نماز جمعہ:

۱۰، ربیع الاول - ۲۵ جون بروز جمعتہ المبارک نماز فجر کے بعد باغ کا گشت کیا اور ناشتہ کرنے کے بعد سوگئے، حنظلہ محمود کے آنے پر بیدار ہوئے، جمعتہ المبارک کو معسکر میں تعلیم و تربیت تک تعطیل ہوتی ہے اس لئے وہ ملتان کے ساتھیوں اور عزیز و اقارب کے ساتھ وقت گزارنے کے لئے معسکر سے قرار گاہ میں آگیا

اور جتنی دیر ساتھ رہا گھر بار کے ذکر کی بجائے ترغیب جہاد کی گفتگو کرتا رہا۔ ملتان سے تربیت کے لئے چلتے وقت یہ کہہ کر آیا تھا کہ جب جامعہ تعلیم و تزکیہ قرآن محل کے متعلقین مطالعاتی دورے پر آئیں گے تو میں معسکر سے چند دن کی چھٹی لے کر ان کے ساتھ اکابر سے ملاقاتیں اور مقامات و مزارات کی زیارتیں کروں گا مگر جب یہاں آکر اسے ساتھ چلنے کو کہا گیا تو وہ ایک دن کے لئے بھی معسکر کے معمولات چھوڑنے کو تیار نہ ہوا یہاں تک کہ اس نے تعطیل کے باوجود ساتھ جا کر شہر میں نمازِ جمعہ ادا کرنے کی بجائے معسکر میں نمازِ جمعہ میں شرکت کو ترجیح دی۔

ہم نے قرار گاہ میں غسلِ جمعہ کیا اور پھر معسکر کی گاڑی میں شہر میں حرکتہ المجاہدین کے دفتر میں آ گئے۔ یہاں سے چار چار اور پانچ پانچ افراد نے مل کر ایک ایک ٹیکسی کی اور نماز جمعہ کے لئے جامع مسجد پل خشتی پہنچ گئے، ہر ڈرائیور نے پندرہ ہزار افغانی (تقریباً اٹھارہ روپے پاکستانی) طلب کئے کرایہ کم کرنے کا مطالبہ کرنے والوں سے ان کے ٹیکسی ڈرائیور نے دس ہزار افغانی (تقریباً بارہ روپے پاکستانی) بھی خوشی سے قبول کر لئے جب کہ ملتان میں اتنے فاصلے پر ٹیکسی تو در کنار رکشا بھی بیس روپے سے کم پر جانے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

یہ مسجد شہر کے وسط میں واقع ہے اور اس شہر کی قدیم مسجدوں میں سے ہے فن تعمیر کے لحاظ سے یک نادر نمونہ اور قابلِ دید شاہکار ہے اس کی ابتدائی تعمیر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور کی بتائی جاتی ہے مگر جدید تعمیر بہت بعد کی ہے اور اس پر ۱۳۱۴ھ مرقوم ہے اس میں شمالاً، جنوباً اور شرقاً برآمدے نما محرابیاں ہیں درمیان میں گنبدی ہال ہے گولائیوں اور محرابیوں میں خوبصورت فانوس آویزاں ہیں۔ دو منزلہ عمارت کے تین طرف وسیع صحن ہے، وضو، غسل اور بیت الخلاء کا وسیع اور نہایت اعلیٰ انتظام ہے، عربی خطبہ شروع ہونے سے کافی پہلے پشتو تقریر ہی میں نہ صرف مسجد کا ہال بھر چکا تھا بلکہ صحن میں بھی سامعین چادریں بچھائے دھوپ کی حدت سے بے نیاز ہمہ تن گوش تھے اور جو پشتو نہیں جانتے تھے وہ بھی مقرر کے پرسوز و دل گداز لہجے میں کھوئے ہوئے تھے، انداز بیان سے معلوم ہو رہا تھا کہ تقریر کا موضوع جہاد ہے۔ نماز جمعہ کے بعد کے سنن و نوافل سے فراغت پر ایک نابینا قاری صاحب نے لحنِ داؤدی میں قرآن مجید کی تلاوت کی قاری عبدالصمد عبدالباسط کی یاد تازہ ہو گئی اور اس کے بعد اجتماعی دعا ہوئی۔

ڈاکے کی حد کا مشاہدہ:

نماز جمعہ کے بعد قرآن محل ملتان کے رفیق درس رب نواز بھٹہ صاحب ادھر ادھر سے معلومات حاصل کرنے لگے کہ آج اسٹیڈیم میں حد یا قصاص کا کوئی پروگرام تو نہیں نفی جواب سننے کے بعد آہ بھری کہ افسوس اس بار ہم حد یا قصاص کا منظر نہ دیکھ سکے مگر جلد ہی آہ! واہ! میں بدل گئی اور کہنے لگے الحمدللہ! یہی تو اسلامی نظام کی برکات ہیں کہ ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ہوا کہ حد یا قصاص کی ضرورت پڑتی۔

گذشتہ سال اسی مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ چار بجے اسٹیڈیم میں ایک ڈاکو پر حد جاری ہو گی، اعلان کردہ وقت پر اسٹیڈیم پہنچے، سیڑھیاں لوگوں سے پر تھیں ایک طرف گھاس پر بڑی بڑی

پگڑیوں والے کچھ حضرات اپنے کندھے کی چادریں نیچے ڈال کر بیٹھے ہوئے تھے، جاننے والوں نے بتایا کہ ان میں فلاں مرکزی وزیر ہے، فلاں صوبائی وزیر ہے، فلاں پولیس سربراہ ہے، فلاں انتظامی سربراہ ہے، فلاں کور کمانڈر ہے اور فلاں عدالتِ عالیہ کا جسٹس ہے، ایک صاحب نے لاؤڈ اسپیکر پر قرآن و حدیث کے حوالے سے اسلام کے نظامِ حدود کا تعارف کرایا اور ڈاکے کے وقوع سے فیصلے تک کے مراحل کی تفصیل بیان کی، یہ گفتگو افغانستان کی سرکاری زبان پشتو میں ہوئی جس کا مفہوم ہمیں ساتھ بیٹھے ترجمان کے ذریعے معلوم ہوتا رہا، بیان کے بعد ایک بند گاڑی اسٹیڈیم کے سامنے والے کنارے سے چل کر درمیان میں آ کر رک گئی اس میں سے دست بستہ مجرم کو باہر نکالا گیا ایک دوسری گاڑی آئی جس میں نقاب پوش ڈاکٹروں کی جماعت تھی مجرم کو بٹھا کر انجکشن لگایا گیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کمال مہارت سے جوڑ سے علیحدہ کر دیا گیا، اور پھر بے ہوش مجرم کو ہسپتال لے جانے کے لئے گاڑی میں لٹا دیا گیا، اس کا ہاتھ اور پاؤں دونوں اچھال کر گاڑی میں ڈال دیئے گئے۔

اگرچہ دشمنانِ دین اور معاندین اسلام کے علاوہ خود کو مسلمان کہنے والے مذہب گریز دانش جلوں کے نزدیک بھی یہ سزا وحشیانہ و ظالمانہ ہے مگر فطرت سعید اور عقل سلیم ان کی تائید قطعاً نہیں کر سکتی کیونکہ:

۞ چوری پر ہاتھ کاٹنا اور ڈاکے پر ہاتھ اور پاؤں دونوں کاٹنا یہ خود اللہ تبارک و تعالیٰ کا قرآنی حکم ہے جو کہ انسان سمیت تمام مخلوقات و کائنات کا خالق و مالک ہے، خالق و مالک کے حکم پر عمل کرنا ظلم نہیں بلکہ اس کی نافرمانی ظلم ہے۔

۞ عدل و حکمت دونوں اللہ تعالیٰ کی صفتیں ہیں اور اس کا کوئی حکم خلافِ عدل و خلافِ حکمت نہیں ہو سکتا اپنی محدود عقلوں سے خالق کی لامحدود حکمتوں کو جانچنا سب سے بڑا ظلم ہے۔

۞ اس جرم پر اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ سزا کے علاوہ دیگر سزائیں انسان کی مقرر کردہ ہیں، انسان کے بارے میں صحیح فیصلہ اس کے خالق کی بجائے اس انسانی عقل کا کیسے ہو سکتا ہے؟ جس پر نہ صرف خود اس جیسے دوسرے انسانوں کو اعتماد نہیں بلکہ خود صاحبِ عقل ہونے کا دعویٰ رکھنے والا بھی اپنے فیصلوں کے تغیر و تبدل کے ذریعے لاشعوری طور پر اپنے ناقص العقل ہونے کا اعتراف و اظہار کرتا رہتا ہے۔

۞ انسانوں میں انسانوں کے سب سے زیادہ ہمدرد اور حقیقی خیر خواہ انبیاء علیہم السلام تھے اور ان سزاؤں کا عملی نفاذ تو سید الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور جس کام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا ہو وہ یقیناً عادلانہ ہوگا ظالمانہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔

۞ خلفاء راشدین کے دور سے لے کر آج تک جہاں جہاں اسلامی نظامِ حدود اختیار کیا گیا معاشرہ چوری اور ڈاکے سے مامون ہو گیا اور جہاں اس کی بجائے انسان ساختہ قوانین رائج ہوئے وہاں ڈاکہ اور چوری نے معاشرے کا امن و امان تہ و بالا کر کے رکھ دیا۔

۞ وحشت کے معنی بدکنے، بھاگنے اور نفرت کرنے کے ہیں اور جو جانور مخدومِ کائنات انسان سے مانوس

ہونے کی بجائے اس سے دور بھاگتا اور نفرت کرتا ہو اسے وحشی جانور کہتے ہیں انسان کی صفت مانوسیت سے مراد وہ جاندار ہے جو اپنے مالک حقیقی کے احکامات سے وحشت کی بجائے، مانوسیت رکھتا ہو اور اس مانوسیت کی بنیاد پر ایک دوسرے سے اُنس رکھتا ہو اس لئے وحشیانہ فعل اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے کو نہیں بلکہ اسے چھوڑنے، اس پر اعتراض کرنے یا اس سے نفرت کرنے کو کہا جائے گا۔

۞ خلاف انسانیت عمل ڈاکو پر حد جاری کرنا نہیں بلکہ ڈاکہ ہے کیونکہ اس کی سزا تو خود اس کے اپنے کئے جرم کا بدلہ ہے۔ جب کہ اس نے مال چھین کر جس فرد اور اس کے زیر کفالت کنبے کو زندگی کی نعمتوں اور بنیادی انسانی حقوق سے محروم کیا ہے یہ کس جرم کی سزا ہے؟ یہ کیسی عجیب وغریب انسانی تہذیب ہے جس میں مظلوم کی بجائے ظالم قابل رحم، ظالم کا ظلم تو خلافِ تہذیب نہیں مگر ظالم کی سزا خلافِ تہذیب ہے۔

۞ چوری اور ڈاکے کی سزا میں حد جاری کرنا صرف اسی صورت میں خلاف تہذیب ہو سکتا ہے جب چوری اور ڈاکے کو تہذیب تسلیم کیا جائے، اگر چوری اور ڈاکہ خلافِ تہذیب عمل ہیں تو پھر ان کی سزا کو خلافِ تہذیب کہنا کیسے مناسب ہو سکتا ہے؟

۞ خود تہذیب حاضر کے علمبرداروں کے نزدیک چوری اور ڈاکہ وحشیانہ حرکت ہے اور اگر ان کے نزدیک اس کی اسلامی سزا وحشیانہ بھی ہو تو پھر بھی وحشیانہ حرکت کے انسداد کے لئے وحشیانہ سزا اختیار کرنے میں کیا حرج ہے؟

۞ انسانیت کی فلاح و بہبود اور عامۃ الناس کی ہمدردی وخیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ ڈاکو کو ایسی نرم سزا دینے کی بجائے جس سے معاشرے میں اس جرم کا رجحان اور عدمِ تحفظ کا احساس بڑھتا چلا جائے، ایسی سخت سزا دی جائے جس کی وجہ سے یہ جرم متعدی نہ بننے پائے اور پورے انسانی معاشرے کو ذہنی سکون اور قلبی اطمینان حاصل ہو جائے۔

۞ رسولی نکالنے کے لئے پیٹ کا چاک کرنا یا کینسر زدہ عضو کو کاٹ کر علیحدہ کر دینا ظلم و وحشت نہیں رحمت و شفقت ہے تو پھر اس ہاتھ اور پاؤں کو جو پورے معاشرے کے امن و سکون کے لئے کینسر کا سبب بن رہا ہے کاٹ کر علیحدہ کر دینا رحمت وشفت کی بجائے ظلم و وحشت کا عمل کیسے ہو سکتا ہے؟

۞ مشہور عربی شاعر ابوالکلام مصری نے اپنے شعروں میں اس پر تعجب کا اظہار کیا کہ وہ ہاتھ جس کی دیت پانچ سو دینار ہے اسے چوتھائی دینار یا دس درہم کی چوری پر کاٹ دیا جاتا ہے اس کی وضاحت قاضی عبدالوہاب مالکی رحمہ اللہ علیہ نے یوں فرمائی۔ لَمّا کَانَت امینۃ کانت ثمینۃ (یعنی جب یہ ہاتھ دیانت دار تھا قیمتی تھا اس لئے اس کی دیت کثیر رکھی گئی) ولَما خَانَت ھانت (اور جب یہ بد دیانت ہو گیا تو کسی قیمت کا نہ رہا اس لئے ذلیل ہوا)